پنجابی کہانی: علی انور احمد　　　　　　　　　　　　　　اردو کاوش: شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

''پھجّا''

ہمارے معاشرے کے ہر گھر کی ایک دلچسپ اور چُبھتی ہوئی کہانی

سکول سے فارغ ہونے کے بعد پھجّے کا زیادہ تر وقت کھیلوں میں گزرنے لگا۔ اور وہ کبڈی کھیلنے اور کُشتی لڑنے لگا۔ اٹھارہ انیس سال کی عمر میں وہ کبڈی کا ایک مشّاق کھلاڑی بن چکا تھا۔ اُس کے باپ کو اُس کی شادی کی فکر ہوئی۔ گاؤں میں بیٹے، بیٹی کی شادی جلد کر دی جاتی ہے۔ اس کی پُشت پر گاؤں کے رہنے والوں کا اپنا ایک فلسفہ ہے۔ جو اگرا تنا اچھا نہیں تو اتنا بُرا بھی نہیں ہے۔ پھجّے کے لئے رشتوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ باپ اپنے بھائی کی بیٹی کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا، جب کہ ماں اپنے بھائی کی بیٹی سے اُس کی شادی کرنا چاہتی تھی۔ پھجّے کا باپ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیوں کہ دونوں بھائی کھیتوں کے کنارے، مشترک ہونے کی وجہ سے آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ یہ لڑائی جھگڑا شاید ختم ہو جاتا مگر دشمنی اُس وقت اور بڑھ گئی جب پھجّے کے چچا نے روکنے کے باوجود زبردستی دو ایکڑ زمین ایک تیسرے آدمی کو فروخت کر دی۔ جبکہ پھجّے کے باپ نے وہی قیمت ادا کرنے کی آفر کی تھی جو خریدار دے رہا تھا۔ مگر اُس کے بھائی نے انکار کر دیا اور کہا ''تمہارے لئے قیمت زیادہ ہوگی کیونکہ یہ زمین تمہارے کھیت کے ساتھ لگتی ہے اور زیادہ سوٹ کرتی ہے۔ اُس وقت تو پھجّے کا باپ اکڑ گیا کہ میں زیادہ قیمت کیوں ادا کروں۔ مگر بعد میں جب زمین بِک گئی، وہ بہت پچھتایا، پھر اُس نے حق شفعہ کر دیا۔

اس لڑائی کی وجہ سے دونوں بھائی ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے اور پھجّے کی ماں کو اپنے بھائی کی بیٹی کو بہو بنانے کا موقع مِل گیا۔ پھجّے کا ماموں کسی سے کم نہ تھا۔ مگر مقدمہ بازیوں نے اُسے کنگال کر دیا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ پھجّے کی شادی، اُس کے ماموں کی بیٹی سے ہوگئی۔ لڑکی خوبصورت تھی اور پھجّے کی پسند بھی مگر وہ اپنی طبیعت سے مجبور تھا۔ وہ ہر وقت غصّے میں رہتا۔ باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اُٹھتی جوانی، کبڈی کا ایک اچھا کھلاڑی اور پُورے ایک مربّعے کا وارث، ان تمام باتوں نے مل کر اُسے مزید بگٹٹ کر دیا تھا۔ ویسے بھی گاؤں کے بزرگ بیوی کو پاؤں کا جوتا سمجھتے ہیں۔ اور جُوتے کے بارے میں اُن کا نظریہ ہے کہ جُوتے کا کیا ہے، پہنا، پہنا۔ نہ پہنا، نہ پہنا! پھجّے کو بھی ماحول سے ایسی ہی سوچ اور تربیّت ملی تھی۔ چنانچہ شادی کے ایک مہینے بعد ہی اُس نے بیوی کو پیٹ دیا۔ وجہ بھی کوئی ایسی نہ تھی۔ صبح کے وقت جب وہ دونوں اکٹھے کھانا کھا رہے تھے (نئے شادی شُدہ، کچھ مُدّت تک اکٹھے کھانا کھاتے ہیں) پھجّے نے اپنے سُسر کے بارے میں، مذاق میں کوئی ایسی بات کر دی جس کا اُس کی بیوی نے بُرا منایا (عورتیں اپنے ماں باپ کے بارے میں بہت حسّاس ہوتی ہیں)۔ اُس وقت تو اُس نے کوئی بات نہ کی مگر بعد میں اُس نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ نئی شادی شُدہ دُلہن اگر ناراض ہو تو اُس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُسے کوئی منائے مگر پھجّے کو اس بات کی سمجھ نہ آئی، وہ تو جب دوپہر کے کھانے پر بیٹھا اور اُس نے اپنی دُلہن کو بھی کھانے کے لئے بلایا اور وہ نہ آئی تو اُسے احساس ہوا کہ ضرور کوئی بات ہے۔ ابھی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ وہ بیوی کے پاس گیا اور اُسے کھانا کھانے کے لئے کہا۔ وہ شامت کی ماری نخرے میں آ گئی۔ کہتے ہیں عورت ساس پہلے اور ممانی، پھوپھی بعد میں ہوتی ہے۔ پھجّے کی ماں کو بیٹے کا اپنی بیوی کو اس طرح منانا اچھا نہ لگا۔ اُس کے منہ سے نکل گیا ''دیکھنا پھجّے کہیں رن مرید نہ بن جانا!''

بس پھر کیا تھا بھجّے کو یہ بات کھا گئی۔ غُصّے میں آ کر اُس نے بیوی کو تھپّڑ مار دیا۔ وہ بے چاری حیران رہ گئی۔ وہ ساس فوراً پھوپھی بن گئی اور بھجّے کو بُرا بھلا کہنے لگی۔ مگر اب کیا فائدہ؟ جب ایک دفعہ ہاتھ اُٹھ گیا سو اُٹھ گیا۔ ایک جھجک تھی جو اُتر گئی پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ بات بات پہ لڑنا اور بیوی کو مارنا' بھجّے کے لئے کھیل بن گیا۔ گاؤں کے مولوی صاحبان اور تو بڑے بڑے مسئلے' مسائل بتاتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور پیغمبروں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی بیوی کو نہیں مارا۔ بلکہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ اچھا انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ بزرگوں کا کہنا ہے جیسے دیوار کو مار لیا ایسے بیوی کو مار لیا۔ مگر اس کے باوجود ہمارے بھائی یہ دیوار کو مارنے والا کام بڑے ذوق وشوق سے کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ میں نے بیوی کو دبا کے رکھا ہوا ہے۔ وہ میرے سامنے دم نہیں مار سکتی۔ بھجّے کی بیوی نے بہت ہاتھ پاؤں مارے' ناراض ہو کر میکے بھی بیٹھی رہی مگر کوئی بات نہ بنی۔ اِس معاشرے نے عورتوں کو دبا کر رکھنے کے لئے یہ اُصول بنایا ہوا ہے۔ کہ باپ جب بیٹی کو ڈولی میں بٹھاتا ہے تو کہتا ہے۔ ''بیٹی! اب یہ تیرا گھر نہیں ہے اب تیرا گھر وہ ہے جہاں تو جا رہی ہے۔ بیٹی! اِس گھر سے تیری ڈولی جا رہی ہے۔ اب اُس گھر سے تیرا جنازہ ہی اُٹھنا چاہیے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو نے وہاں ہر طرح کا ظلم سہہ کر گزارا کرنا ہے۔ لڑکے والے چاہے کتنے ہی نیک ہوں وہ لڑکی اور لڑکی والوں کی بے عزتی کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ حالانکہ دنیا اس پر تھوئی تھوئی کرتی ہے اور خدا رسول بھی دکھ دینے والے کو پسند نہیں کرتے۔ روتے دھوتے اٹھارہ برس گزر گئے۔ بھجّے کا باپ' اللہ کو پیارا ہو گیا۔ بھجّا اب بھجّا نہیں بلکہ فضل دین تھا اور اپنے جیسے چھوٹے موٹے زمینداروں میں چودھری فضل دین! فضل دین کا غصہ اب بھی اُسی طرح تھا اور اُس کے مارنے پیٹنے کے انداز میں کمی تو آ ئی تھی مگر اس کا خاتمہ ابھی تک نہیں ہوا تھا۔ بیوی کے معاملے میں بہت سخت مشہور تھا۔

پھر ایک دن ایسا آیا کہ چودھری فضل دین کی بیٹی' رانی کی رخصتی ہو گئی۔ فضل دین کو لوگوں نے پہلی بار اُس وقت روتے ہوئے دیکھا جب اُس کی نازوں پلی بیٹی ڈولی میں بیٹھ رہی تھی۔ اُن دنوں فضل دین کو تاش کھیلنے کی عادت پڑ گئی۔ اُس نے کام کاج کے لئے ایک ملازم رکھ لیا۔ زمین ٹھیکے پر دے دی اور سارا دن اپنے جیسے لوگوں سے تاش کھیلتا۔ ایک دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ تاش کھیل کر واپس آیا تو اُس کی بیوی خوف کے مارے جلدی جلدی آٹا گُوندھ رہی تھی۔ آج اُسے دیر ہو گئی تھی اور وہ وقت پر روٹی نہ پکا سکی تھی۔ فضل دین جب تاش کھیل کر آتا تو اُسے بھوک لگی ہوتی۔ اُس وقت روٹی نہ ہونا' اُس کے غُصّے کو آگ دکھانے کے مترادف تھا۔ وہ روٹی وقت پر نہ پکانے کے سلسلے میں پہلے بھی ایک دفعہ بیوی کو مار چکا تھا۔ فضل دین نے جب دیکھا کہ ابھی آٹا ہی گوندھا جا رہا ہے تو غُصّے سے اُس کی آنکھیں لال سرخ ہو گئیں اور وہ بیوی کو مارنے کے لئے آگے بڑھا۔ اُس کی بیوی ڈر کر پیچھے ہٹی۔ فضل دین نے ہاتھ اٹھایا پھر کچھ سوچ کر چُپ چاپ اندر بیٹھک میں جا کر چارپائی پہ پڑا رہا۔ کافی دیر کے بعد' جب اُس کی بیوی روٹی لے کر اندر گئی تو اُس نے فضل دین کو گہری سوچ میں ڈوبا پایا۔ اُس نے ڈرتے ڈرتے فضل دین سے اُس کی گہری سوچ کی وجہ پوچھی تو فضل نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا:

''جو سلوک میں تیرے ساتھ کرتا رہا ہوں اور اب تک کر رہا ہوں اگر وہی سلوک ہمارا داماد ہماری بیٹی رانی کے ساتھ روا رکھّے تو پھر......؟''فضل دین کی آواز بھرّا گئی وہ چادر میں منہ دے کر رونے لگا۔ اُس دن کے بعد فضل دین ''رن مرید'' مشہور ہو گیا۔